

**خَلَقُوا كَخَلِقِهِ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ ۝ قُلِ اللَّهُ خَالِقٌ  
كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَا  
فَسَالَتْ أَوْدِيَةٌ يُقَدَّرُهَا فَأَحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَأْيَاتٍ  
وَمِمَّا يُوْقِدُونَ عَلَيْهِ فِي التَّارِيْخِ ابْتِغَاءَ حِلْيَةٍ أَوْ مَتَاعٍ  
زَبَدٌ مِثْلُهُ طَكْذِلَكَ يَضْرِبُ اللَّهُ الْحَقَّ وَ الْبَاطِلَ ۝**

ہوئے شریکوں نے بھی اللہ کی طرح کچھ پیدا کیا ہے کہ اس کی وجہ سے ان پر تخلیق کا معاملہ مشتبہ ہو گیا؟ [۲۹] — کہو،  
ہر چیز کا خالق صرف اللہ ہے اور وہ یکتا ہے، سب پر غالب! [۳۰]

اللہ نے آسمان سے پانی برسایا اور ہر ندی نالہ اپنے ظرف کے مطابق اسے لے کر چل نکلا۔ پھر جب سیالب اٹھاتو سطح پر جھاگ بھی آ گئے [۳۱] اور ایسے ہی جھاگ ان دھاتوں پر بھی اٹھتے ہیں جنہیں زیور اور برتن وغیرہ بنانے کے لیے لوگ پکھلا�ا کرتے ہیں [۳۲] اسی مثال سے اللہ حق اور باطل کے معاملہ کو واضح کرتا ہے۔

[۲۹] اس سوال کا مطلب یہ ہے کہ اگر دنیا میں کچھ چیزیں اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہوتیں اور کچھ دوسروں نے، اور یہ معلوم کرنا مشکل ہوتا کہ خدا کا تخلیقی کام کون سا ہے اور دوسروں کا کون سا، تب تو واقعی شرک کے لیے کوئی معقول بنیاد ہو سکتی تھی۔ لیکن جب یہ مشرکین خود مانتے ہیں کہ ان کے معبدوں میں سے کسی نے ایک تنکا اور ایک بال تک پیدا نہیں کیا ہے، اور جب انہیں خود تسلیم ہے کہ خلق میں ان جعلی خداوں کا ذرہ برا بر بھی کوئی حصہ نہیں ہے، تو پھر یہ جعلی معبد خالق کے اختیارات اور اس کے حقوق میں آخر کس بنا پر شریک ٹھیک رہیے گئے؟

[۳۰] اصل میں لفظ قہار استعمال ہوا ہے جس کے معنی ہیں ”وَهَسْتِيْ جو اپنے زور سے سب پر حکم چلانے اور سب کو مغلوب کر کے رکھے۔“ یہ بات کہ ”اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے“، مشرکین کی اپنی تسلیم کردہ حقیقت ہے جس سے انہیں بھی انکار نہ تھا۔ اور یہ بات کہ ”وَهَسْتِيْ یکتا اور قہار ہے“، اس تسلیم شدہ حقیقت کا لازمی تیجھے ہے جس سے انکار کرنا، پہلی حقیقت کو مان لینے کے بعد، کسی صاحب عقل کے لیے ممکن نہیں ہے۔ اس لیے کہ جو ہر چیز کا خالق ہے، وہ لامحالہ یکتا و یگانہ ہے، کیونکہ دوسری جو چیز بھی ہے وہ اسی کی خلوق ہے، پھر بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کوئی مخلوق اپنے خالق کی ذات یا صفات، یا اختیارات، یا حقوق میں اس کی شریک ہو؟ اسی طرح وہ لامحالہ قہار بھی ہے، کیونکہ مخلوق کا اپنے خالق سے مغلوب ہو کر رہنا عین تصور مخلوقیت میں شامل ہے۔ غلبہ کامل اگر خالق کو حاصل نہ ہو تو وہ خلق ہی کیسے کر سکتا ہے۔ پس جو شخص اللہ کو خالق مانتا ہوا س کے لیے ان دو خالص عقلی و منطقی تیجھوں سے انکار کرنا ممکن نہیں رہتا، اور اس کے بعد یہ بات سراسر غیر معقول ٹھیک رہی ہے کہ کوئی شخص خالق کو چھوڑ کر مخلوق کی بندگی کرے اور غالب کو چھوڑ کر مغلوب کو مشکل کشائی کے لیے پکارے۔

[۳۱] اس تمثیل میں اس علم کو جو نبی ﷺ پر وحی کے ذریعے سے نازل کیا گیا تھا، آسمانی بارش سے تشیید دی گئی ہے۔ اور ایمان لانے والے سلیم الفطرت لوگوں کو ان ندی نالوں کے مانند ٹھیک رایا گیا ہے جو اپنے اپنے ظرف کے مطابق باران رحمت سے بھر پور ہو کر روای دواں ہو جاتے ہیں۔ اور اس ہنگامہ و شورش کو جو تحریک اسلامی کے خلاف مکرین و مخالفین نے برپا کر کی تھی اس جھاگ اور اس خس و خاشاک سے تشیید دی گئی ہے جو ہمیشہ سیالب کے اٹھتے ہی سطح پر اپنی اچھل کو دکھانی شروع کر دیتا ہے۔

[۳۲] یعنی بھی جس کام کے لیے گرم کی جاتی ہے وہ تو ہے خالص دھات کو تپا کر کار آمد بنانا۔ مگر یہ کام جب بھی کیا جاتا ہے میں

فَآمَّا الرَّبُّ فَيَذْهُبُ جُفَاءً ۝ وَآمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ  
 فَيَمْكُثُ فِي الْأَرْضِ ۝ كَذَلِكَ يَصْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ ۝  
 لِلَّذِينَ أَسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمُ الْحُسْنَىٰ ۝ وَالَّذِينَ لَمْ يَسْتَجِيبُوا لَهُ ۝ لَوْا نَّ  
 لَهُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ۝ وَمِثْلَهُ مَعَهُ لَا فِتْدَأْ ۝ وَإِلَيْهِ أُولَئِكَ لَهُمْ  
 سُوءُ الْحِسَابِ ۝ وَمَا وَهُمْ بِجَهَنَّمَ وَيُئْسَ الْمُهَادِعِ ۝ أَفَهُنْ يَعْلَمُونَ ۝

جو جھاگ ہے وہ اڑ جایا کرتا ہے اور جو چیز انسانوں کے لیے نافع ہے وہ زمین میں ٹھیک رہتا ہے۔ اس طرح اللہ مثالوں سے اپنی بات سمجھاتا ہے۔

جن لوگوں نے اپنے رب کی دعوت قبول کر لی ان کے لیے بھائی ہے، اور جنہوں نے اسے قبول نہ کیا وہ اگر زمین کی ساری دولت کے بھی مالک ہوں اور اتنی ہی اور فراہم کر لیں تو وہ خدا کی پکڑ سے بچنے کے لیے اس سب کو فدیہ میں دے ڈالنے پر تیار ہو جائیں گے۔ [۳۲] یہ لوگ ہیں جن سے بری طرح حساب لیا جائے گا۔ اور ان کا ٹھکانا جنم ہے، بہت ہی براٹھ کا نائے

کچیل ضرورا بھرا تا ہے اور اس شان سے چرخ کھاتا ہے کہ کچھ دریک سطح پر بس وہی وہ نظر آتا رہتا ہے۔

[۳۳] یعنی اس وقت ان پر ایسی مصیبت آن پڑے گی کہ وہ اپنی جان چھڑانے کے لیے دنیا و ما فیہا کی دولت دے ڈالنے میں بھی تأمل نہ کریں گے۔

[۳۴] بری حساب نہیں یا سخت حساب نہیں سے مطلب یہ ہے کہ آدمی کی کسی خط او کسی لغزش کو معاف نہ کیا جائے، کوئی قصور جو اس نے کیا ہو مو اخذ کے بغیر نہ چھوڑ جائے۔

قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس طرح کا محاسبہ اپنے ان بندوں سے کرے گا جو اس کے باعثی بن کر دنیا میں رہے ہیں۔ بخلاف اس کے جنہوں نے اپنے خدا سے وفاداری کی ہے اور اس کے مطیع فرمان بن کر رہے ہیں ان سے ”حساب یسیر“ یعنی بلکہ حساب لیا جائے گا، ان کی خدمات کے مقابلے میں ان کی خطاؤں سے درگزر کیا جائے گا اور ان کے مجموعی طرز عمل کی بھائی کو ملحوظ رکھ کر ان کی بہت سی کوتا ہیوں سے صرف نظر کر لیا جائے گا۔ اس کی مزید توضیح اس حدیث سے ہوتی ہے جو حضرت عائشہؓ سے ابو داؤد میں مردی ہے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ، میرے نزدیک کتاب اللہ کی سب سے زیادہ خوف ناک آیت وہ ہے جس میں ارشاد ہوا ہے کہ مَنْ يَعْمَلْ سُوءً يُخْزَى بِلَا“ جو شخص کوئی برائی کرے گا وہ اس کی سزا پائے گا۔“ اس پر حضور نے فرمایا عائشہ، کیا تمہیں معلوم نہیں کہ خدا کے مطیع فرمان بندے کو دنیا میں جو تکلیف بھی پہنچتی ہے، جتنی کہ اگر کوئی کائنات بھی اس کو چھتتا ہے، تو اللہ اسے اس کے کسی نہ کسی قصور کی سزا قرار دے کر دنیا ہی میں اس کا حساب صاف کر دیتا ہے؟ آخرت میں تو جس سے بھی محاسبہ ہو گا وہ سزا پا کر رہے گا۔ حضرت عائشہؓ نے عرض کیا پھر اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا مطلب کیا ہے کہ فَآمَّا مَنْ أُوتَى إِكْتَابَةً بِتَمِيمَتِهِ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يُسِيرًا (الانشقاق: آیت ۷، ۸) ”جس کا نامہ اعمال اس کے سیدھے ہاتھ میں دیا جائے گا اس سے بلکہ حساب لیا جائے گا۔“ حضور نے جواب دیا، اس سے مراد ہے پیشی (اس کی بھائیوں کے ساتھ اس کی برائیاں بھی اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ضرور ہوں گی) مگر جس سے

أَنَّهَا أُنْزَلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ الْحَقُّ كُلُّهُ هُوَ أَعْلَمُ بِإِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أَوْلُوا  
الْأَلْبَابِ ۖ ۗ الَّذِينَ يُؤْفَوْنَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَلَا يَنْقُضُونَ الْمِيَثَاقَ ۚ ۗ  
وَالَّذِينَ يَصِلُونَ مَا أَمْرَاهُمُ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوَصِّلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ  
وَيَخَافُونَ سُوءَ الْجِسَابِ ۖ ۗ وَالَّذِينَ صَبَرُوا إِلَيْهَا وَجَهُهُ رَبَّهُمْ

بھلا یہ کس طرح ممکن ہے کہ وہ شخص جو تمہارے رب کی اس کتاب کو جو اس نے تم پر نازل کی ہے حق جانتا ہے، اور وہ شخص جو اس حقیقت کی طرف سے انداھا ہے، دونوں یکساں ہو جائیں؟ [۲۵] نصیحت تو داشمن لوگ ہی قبول کیا کرتے ہیں۔ [۲۶] اور ان کا طرز عمل یہ ہوتا ہے کہ اللہ کے ساتھ اپنے عہد کو پورا کرتے ہیں، اسے مضبوط باندھنے کے بعد تو انہیں ڈالتے۔ [۲۷] ان کی روشنی ہوتی ہے کہ اللہ نے جن جن روابط کو برقرار رکھنے کا حکم دیا ہے۔ [۲۸] انھیں برقرار رکھتے ہیں، اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور اس بات کا خوف رکھتے ہیں کہ کہیں ان سے بری طرح حساب نہ لیا جائے۔ ان کا حال یہ ہوتا ہے کہ اپنے رب کی رضا کے لیے صبر سے کام لیتے ہیں، [۲۹]

یا زپرس ہوئی وہ تو بس سمجھ لو کے مارا گیا۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص اپنے وفادار اور فرمائی بردار ملازم کی چھوٹی چھوٹی خطاؤں پر کبھی سخت گرفت نہیں کرتا بلکہ اس کے بڑے بڑے قصوروں کو بھی اس کی خدمات کے پیش نظر معاف کر دیتا ہے۔ لیکن اگر کسی ملازم کی غداری و خیانت ثابت ہو جائے تو اس کی کوئی خدمت قابل لحاظ نہیں رہتی اور اس کے چھوٹے بڑے سب قصور شماریں آجاتے ہیں۔

[۳۵] یعنی نہ دنیا میں ان دونوں کاروبار یہ یکساں ہو سکتا ہے اور نہ آخرت میں ان کا انعام یکساں۔

[۳۶] یعنی خدا کی بھیجی ہوئی اس تعلیم اور خدا کے رسول کی اس دعوت کو جو لوگ قبول کیا کرتے ہیں وہ عقل کے اندازے نہیں بلکہ ہوش گوش رکھنے والے بیدار مغمولوگ ہی ہوتے ہیں۔ اور پھر دنیا میں ان کی سیرت و کردار کا وہ رنگ اور آخرت میں ان کا وہ انعام ہوتا ہے جو بعد کی آیتوں میں بیان ہوا ہے۔

[۳۷] اس سے مراد وہ اذی عہد ہے جو اللہ تعالیٰ نے ابتدائے آفرینش میں تمام انسانوں سے لیا تھا کہ وہ صرف اسی کی بندگی کریں گے۔ (تشريع کے لیے ملاحظہ، سورہ اعراف، حاشیہ ۱۳۴ و ۱۳۵) یہ عہد ہر انسان سے لیا گیا ہے، ہر ایک کی فطرت میں مضر ہے، اور اسی وقت پختہ ہو جاتا ہے جب آدمی اللہ تعالیٰ کی تخلیق سے وجود میں آتا اور اس کی ربو بیت سے پروش پاتا ہے۔ خدا کے رزق سے پلناء، اس کی پیدا ایک ہوئی چیزوں سے کام لینا اور اس کی بخشی ہوئی قوتوں کو استعمال کرنا آپ سے آپ انسان کو خدا کے ساتھ ایک بیان بندگی میں باندھ دیتا ہے جسے توڑنے کی جرأت کوئی ذی شعور اور نمک حلال آدمی نہیں کر سکتا، الایک کہ نادانست کبھی احیاناً اس سے کوئی لغزش ہو جائے۔

[۳۸] یعنی وہ تمام معاشرتی اور تمدنی روابط جن کی درستی پر انسان کی اجتماعی زندگی کی صلاح و فلاح منحصر ہے۔

[۳۹] یعنی اپنی خواہشات کو قابو میں رکھتے ہیں، اپنے جذبات اور میلانات کو حدود کا پابند بناتے ہیں، خدا کی نافرمانی میں جن جن فائدوں اور لذتوں کا لامخ نظر آتا ہے انہیں دیکھ کر پھسل نہیں جاتے، اور خدا کی فرمائی میں جن جن نقصانات اور تکلیفوں کا اندر یہ رہتا ہے

وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَنْفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سَرًا وَعَلَانِيَةً وَيَدْرَءُونَ  
بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ أُولَئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ<sup>۲۹</sup> جَنَّتُ عَدُنٍ  
يَدُ حُلُونَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ أَبَآئِهِمْ وَأَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيَّتِهِمْ وَالْمَلِكَةُ  
يَدُ حُلُونَ عَلَيْهِمْ مِنْ كُلِّ بَابٍ<sup>۳۰</sup> سَلَمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ

نماذقائمه کرتے ہیں، ہمارے دیے ہوئے رزق میں سے علائیہ اور پوشیدہ خرچ کرتے ہیں، اور برائی کو بھائی سے دفع کرتے ہیں۔ [۲۹] آخرت کا گھر انہی لوگوں کے لیے ہے۔ یعنی ایسے باغ جوان کی ابدی قیام گاہ ہوں گے۔ وہ خود بھی ان میں داخل ہوں گے اور ان کے آباء اجداد اور ان کی بیویوں اور ان کی اولاد میں سے جو جو صاحب ہیں وہ بھی ان کے ساتھ وہاں جائیں گے۔ ملائکہ ہر طرف سے ان کے استقبال کے لیے آئیں گے اور ان سے کہیں کہ ”تم پر سلامتی ہے“، [۳۰] تم نے دنیا میں جس طرح صبر سے کام لیا اُس کی بدولت آج تم اس کے مستحق ہوئے ہو۔

انہیں براحت کر لے جاتے ہیں۔ اس لحاظ سے مومن کی پوری زندگی درحقیقت صبر کی زندگی ہے، کیونکہ وہ رضاۓ الہی کی امید پر اور آخرت کے پائیدار نتائج کی توقع پر اس دنیا میں ضبط نفس سے کام لیتا ہے اور گناہ کی جانب نفس کے ہر میلان کا صبر کے ساتھ مقابلہ کرتا ہے۔

[۳۰] یعنی وہ بدی کے مقابلے میں بدی نہیں بلکہ نیکی کرتے ہیں۔ وہ شر کا مقابلہ شر سے نہیں بلکہ خیر ہی سے کرتے ہیں۔ کوئی ان پر خواہ کتنا ہی ظلم کرے، وہ جواب میں ظلم نہیں بلکہ انصاف ہی کرتے ہیں۔ کوئی ان کے خلاف کتنا ہی جھوٹ بولے، وہ جواب میں پچھی بولتے ہیں۔ کوئی ان سے خواہ کتنی ہی خیانت کرے، وہ جواب میں دیانت ہی سے کام لیتے ہیں۔ اسی معنی میں ہے وہ حدیث جس میں حضور نے فرمایا ہے: ”تم اپنے طرز عمل کو لوگوں کے طرز عمل کا تابع بنانا کرنے رکھو۔ یہ کہنا غلط ہے کہ اگر لوگ بھائی کریں گے تو ہم بھائی کریں گے اور لوگ ظلم کریں گے تو ہم بھی ظلم کریں گے۔ تم اپنے نفس کو ایک قاعدے کا پابند بناؤ۔ اگر لوگ نیکی کریں تو تم نیکی کرو۔ اور اگر لوگ تم سے بدسلوکی کریں تو تم ظلم نہ کرو۔“

اسی معنی میں ہے وہ حدیث جس میں حضور نے فرمایا کہ میرے رب نے مجھے نوباتوں کا حکم دیا ہے۔ اور ان میں سے چار باتیں آپ نے یہ فرمائیں کہ میں خواہ کسی سے خوش ہوں یا ناراض ہر حالت میں انصاف کی بات کہوں، جو میرا حق مارے میں اس کا حق ادا کروں، جو مجھے محروم کرے میں اس کو عطا کروں اور جو مجھ پر ظلم کرے میں اس کو معاف کروں۔ اور اسی معنی میں ہے وہ حدیث جس میں حضور نے فرمایا کہ لا تحن من خانک ”جو تجھ سے خیانت کرے تو اس سے خیانت نہ کر۔“ اور اسی معنی میں ہے حضرت عمرؓ کا یہ قول کہ ”جو شخص تیرے ساتھ معاملہ کرنے میں خدا سے نہیں ڈرتا اس کو سزادینے کی بہترین صورت یہ ہے کہ تو اس کے ساتھ خدا سے ڈرتے ہوئے معاملہ کر۔“

[۳۱] اس کا مطلب صرف یہی نہیں ہے کہ ملائکہ ہر طرف سے آآ کر سلام کریں گے، بلکہ یہ بھی ہے کہ ملائکہ ان کو اس بات کی خوشخبری دیں گے کہ اب تم ایسی جگہ آگئے ہو جہاں تمہارے لیے سلامتی ہی سلامتی ہے۔ اب یہاں تم ہر آفت سے، ہر تکلیف سے، ہر مشقت سے، اور ہر خطرے اور اندیشے سے محفوظ ہو۔ (مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو سورہ حجر، حاشیہ ۲۹)

عَقْبَى الدَّارِٖ ۝ وَالَّذِينَ يَنْقْصُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مِيَثَاقِهِ  
وَيَقْطَعُونَ مَا أَمْرَاهُ بِهِ أَنْ يُوَصَّلَ وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ لَا وَلِكَ  
لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوءُ الدَّارِ ۝ ۝ ۝ اللَّهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَعْدِرُ  
وَقِرْحُوا بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا مَتَاعٌ ۝ ۝ ۝  
وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَلَا أُنْزَلَ عَلَيْهِ أَيْةٌ مِّنْ رَّبِّهِ قُلْ إِنَّ اللَّهَ  
يُفْلِحُ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَنْ أَنْتَ ۝ ۝ ۝ الَّذِينَ أَمْنَوْا وَنَطَمَّنُ

پس کیا ہی خوب ہے یہ آخرت کا گھر! رہے وہ لوگ جو اللہ کے عہد کو مضبوط باندھ لینے کے بعد توڑ دلتے ہیں، جو ان رابطوں کو کامٹتے ہیں جنہیں اللہ نے جوڑ نے کا حکم دیا ہے، اور جوز میں میں فاد پھیلاتے ہیں، وہ لعنت کے مستحق ہیں اور ان کے لیے آخرت میں بہت براٹھ کانا ہے۔

اللہ جس کو چاہتا ہے رزق کی فراغی بخشا ہے اور جسے چاہتا ہے نیپاٹلارزق دیتا ہے۔ [۳۲] یہ لوگ دنیوی زندگی میں مگن ہیں، حالانکہ دنیا کی زندگی آخرت کے مقابلے میں ایک متاع قلیل کے سوا کچھ بھی نہیں۔ یہ لوگ جنہوں نے (رسالت محمدی کو ماننے سے) انکار کر دیا ہے، کہتے ہیں ”اس شخص پر اس کے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہ اتری۔“ [۳۳] کہو، اللہ جسے چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے اور وہ اپنی طرف آنے کا راستہ اسی کو دکھاتا ہے جو اس کی طرف رجوع کرے۔ [۳۴] ایسے ہی لوگ ہیں وہ جنہوں نے (اس نبی کی دعوت کو) مان لیا ہے

[۳۲] اس آیت کا پس منظر یہ ہے کہ عام جہلاء کی طرح کفار مکہ بھی عقیدہ عمل کے حسن و فتح کو دیکھنے کے بجائے امیری اور غربی کے لحاظ سے انسانوں کی قدر و قیمت کا حساب لگاتے تھے۔ ان کا مگان یہ تھا کہ جسے دنیا میں خوب سامان عیش مل رہا ہے وہ خدا کا محبوب ہے، خواہ وہ کیسا ہی گمراہ و بدکار ہو، اور جو تنگ حال ہے وہ خدا کا مغضوب ہے خواہ وہ کیسا ہی نیک ہو۔ اسی بنیاد پر وہ قریش کے سرداروں کو نبی ﷺ کے غریب ساتھیوں پر فضیلت دینے تھے اور کہتے تھے کہ دیکھ لو، اللہ کس کے ساتھ ہے۔ اس پر متنبہ فرمایا جا رہا ہے کہ رزق کی کمی و بیشی کا معاملہ اللہ کے ایک دوسرا ہی قانون سے تعلق رکھتا ہے جس میں بے شمار دوسری مصلحتوں کے لحاظ سے کسی کو زیادہ دیا جاتا ہے اور کسی کو کم۔ یہ کوئی معیار نہیں ہے جس کے لحاظ سے انسانوں کے اخلاقی و معنوی حسن و فتح کا فیصلہ کیا جائے۔ انسانوں کے درمیان فرق مراتب کی اصل بنیاد اور ان کی سعادت و شقاوت کی اصل کسوٹی یہ ہے کہ کس نے فکر و عمل کی صحیح راہ اختیار کی اور کس نے غلط، کس نے عدمہ اوصاف کا اکتساب کیا اور کس نے برعے اوصاف کا۔ مگر نادان لوگ اس کے بجائے یہ دیکھتے ہیں کہ کس کو دولت زیادہ ملی اور کس کو کم۔

[۳۳] پہلے رکوع کے آخر میں اس سوال کا جواب دیا جا چکا ہے اسے پیش نظر کھا جائے۔ اب دوبارہ ان کے اسی اعتراض کو نقل کر کے ایک دوسرے طریقے سے اس کا جواب دیا جا رہا ہے۔

[۳۴] یعنی جو اللہ کی طرف خود رجوع نہیں کرتا اور اس سے روگردانی اختیار کرتا ہے اسے زبردست راہ راست دکھانے کا طریقہ اللہ کے

قُلُوبُهُمْ بِذِكْرِ اللَّهِ أَلَا إِنْ كُرِّرَ اللَّهُ تَعْظِيمُ الْقُلُوبُ ﴿٢٨﴾ أَمْتَوْا  
وَعَمِلُوا الصِّلْحَاتِ طُوبٌ لَهُمْ وَحُسْنٌ مَا بِهِ ۝ كَذَلِكَ أَرْسَلْنَاكَ فِي  
أُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَا أُمَّمٌ لَتَتَلَوَّ أَعْلَيْهِمُ الَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَهُمْ  
يَكْفُرُونَ بِالرَّحْمَنِ ۝ قُلْ هُوَ رَبُّنَا لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ جَعْلَيْهِ تَوْكِيدُ وَإِلَيْهِ  
مَتَابٌ ۝ وَلَوْا نَّ قُرْآنًا سُرِّرْتُ بِهِ الْجَبَالُ أَوْ قَطَعْتُ بِهِ الْأَرْضُ أَوْ

اور ان کے دلوں کو اللہ کی یاد سے اطمینان نصیب ہوتا ہے۔ خبردار رہو! اللہ کی یاد ہی وہ چیز ہے جس سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوا کرتا ہے۔ پھر جن لوگوں نے دعوت حق کو مانا اور نیک عمل کیے وہ خوش نصیب ہیں اور ان کے لیے اچھا انجام ہے۔

اے نبی، اسی شان سے ہم نے تم کو رسول بننا کر بھیجا ہے،<sup>[۲۵]</sup> ایک ایسی قوم میں جس سے پہلے بہت سی قویں گزر چکی ہیں، تاکہ تم ان لوگوں کو وہ پیغام سناؤ جو ہم نے تم پر نازل کیا ہے، اس حال میں کہ یہ اپنے نہایت مہربان خدا کے کافر بنے ہوئے ہیں۔<sup>[۲۶]</sup> ان سے کہو کہ وہی میرارب ہے، اس کے سوا کوئی معبد نہیں ہے، اسی پر میں نے بھروسایا اور وہی میرا ملخا و ماوی ہے۔

اور کیا ہو جاتا اگر کوئی ایسا قرآن اتار دیا جاتا جس کے زور سے پھاڑ چلنے لگتے، یا زمین شق ہو جاتی، یا

ہاں ران چکنیں ہے۔ وہ ایسے شخص کو اپنی راستوں میں بھکلنے کی توفیق دے دیتا ہے جن میں وہ خود بھکلنا چاہتا ہے۔ وہی سارے اسباب جو کسی ہدایت طلب انسان کے لیے سبب ہدایت بنتے ہیں، ایک ضلالت طلب انسان کے لیے سبب ضلالت بنادیے جاتے ہیں۔ شمع روشن بھی اس کے سامنے آتی ہے تو راستہ دکھانے کے بجائے اس کی آنکھیں خیرہ ہی کرنے کا کام دیتی ہے۔ یہی مطلب ہے اللہ کے کسی شخص کو گمراہ کرنے کا۔ نشانی کے مطالبے کا یہ جواب اپنی بلا غلت میں بنے نظر ہے۔ وہ کہتے تھے کہ کوئی نشانی دکھاؤ تو ہمیں تمہاری صداقت کا یقین آئے۔ جواب میں کہا گیا کہ نادانو، تمہیں راہ راست نہ ملنے کا اصل سبب نشانیوں کا فتدان نہیں ہے بلکہ تمہاری اپنی ہدایت طلبی کا فتدان ہے۔ نشانیاں تو ہر طرف بے حد و حساب پھیلی ہوئی ہیں، مگر ان میں سے کوئی بھی تمہارے لیے نشان را نہیں بنتی، کیونکہ تم خدا کے راستے پر جانے کے خواہش مند ہی نہیں ہو۔ اب اگر کوئی اور نشانی آئے تو وہ تمہارے لیے کیسے مفید ہو سکتی ہے؟ تم شکایت کرتے ہو کہ کوئی نشانی نہیں دکھائی گئی۔ مگر جو خدا کی راہ کے طالب ہیں انہیں نشانیاں نظر آ رہی ہیں اور وہ انہیں دیکھ دیکھ کر راہ راست پار ہے ہیں۔

[۲۵] یعنی کسی ایسی نشانی کے بغیر جس کا یہ لوگ مطالبه کرتے ہیں۔

[۲۶] یعنی اس کی بندگی سے منہ موڑے ہوئے ہیں، اس کی صفات اور اختیارات اور حقوق میں دوسروں کو اس کا شریک بنارہے ہیں، اور اس کی نعمتوں کے شکر یہ دوسروں کو ادا کر رہے ہیں۔